یہ کوئی مثل تو نہیں ؟ اس صورت میں " تازہ شے بہتر (۹۰) بارہ سے بہتر زیادہ قرین قیاس ہے ، یعنی کہ تازہ شے اگر بہتر ہو تو وہ بارہ سو بہتر کے برابر ہے ، اگر یہ ہے تو پھر اس کا زمانۂ تحریر کیا ہے ؟ یہ بھی ممکن ہے کہ مثل کا انتخاب ہی اسی لیے کیا ہو کہ اس میں ۱۲۷۲ موجود ہے جو زمانۂ تحریر ہے ۔ میں کچھ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا لیکن " تازہ شے بہتر " کو صحیح سمجھنے میں مجھے تأمل ہے ۔ یہ فیصلہ بھی نا ممکن ہے کہ خط ۱ و ۲ میں پہلے کون لکھا گیا ہے ۔

قدر ۔ خط ۴ کے بارے میں م نے یہ فیصلہ کس طرح کیا کہ قبل از ۱۸۵۷ء کا لکھا ہوا ہے؟

غلام نجف ۔ خط ۱۵ و ۲۲ و ۲۳ کے سنۂ کتابت کی تعیین کس طرح ہوئی، سمجھ میں نہ آیا ۔

۹۔ اِشاریہ ہر جلد کے ساتھ الگ الگ ہو تو بہتر ہے (۹۱)۔

مکتوبات قاضی عبدالودود بنام شیخ محمد اکرام آئی۔ سی۔ ایس۔ (مقیم پونا)

(۱)

کدم کنواں ، پٹنہ

۲۵ / ۸ / ۴۳ء

جنابِ من ، تسلیم

سالِ گذشتہ مہیش پرشاد صاحب (بنارس یونیورسٹی) (۹۲) اور میں نے غالب کے ایک دیوان کو جس کا ذکر غالب نامہ میں ہے بہت تلاش کیا ، لیکن نہ ملا ۔ کتب خانۂ مشرقیۂ پٹنہ ۔۴ میں میخانۂ آرزو (۹۳) کے علاوہ غالب کا اور کوئی دیوان نہیں۔ مے خانۂ آرزو کا نمبر آپ نے صحیح دیا ہے ، لیکن دوسرے دیوان کا جو نمبر آپ نے دیا ہے وہ کسی دوسری کتاب کا نمبر ہے جسے غالب سے کوئی تعلق نہیں۔ میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ دوسرے دیوان کا نمبر کہاں ملا اور آپ کو اس کا علم کیوں کر ہوا کہ کتب خانۂ مشرقیۂ پٹنہ ۔۴ میں مے خانۂ آرزو (۹۴) کے علاوہ بھی فارسی دیوان کا ایک نسخہ ہے۔

سابقہ معرفت کے بغیر زحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں ۔

آپ نے ایک خط میں جو میرے ایک کرم فرما کے نام ہے، لکھا ہے کہ " بہت کچھ اضافے کے بعد حصۂ نثر علیحدہ شایع ہو رہا ہے " ۔ کیا غالب نامہ کے علاوہ کوئی کتاب شایع ہو رہی ہے ؟

فارسی کے ۳۴ غیر مطبوعہ خطوط ابھی حال میں ملے ہیں۔ میرے ایک دوست انھیں مُرتّب کر رہے ہیں (۹۵)۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں چھپوا دوں گا۔

آپ کا خادم

قاضی عبدالودود

(بیرسٹرایٹ لا)

(۲)

کدم کنواں، پٹنہ

۱۰/۱/۴۳ء

مکرّمِ بندہ،

آپ کا خط ملا، نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے جواب دینے کی زحمت اٹھائی۔ دیوان غالب کے دوسرے نسخے کی تلاش کے وقت کتب خانے کے ملازمین سے میں نے دریافت کیا تھا کہ صلاح الدین مرحوم (۹۶) کی کتابوں میں تو نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ملا۔ گمان یہ ہوا کہ کہیں کسی نے آپ کو غلط اطلاع تو نہیں دی، اُس وقت تک مجھے یہ علم نہ تھا کہ کتاب خود آپ کی نظر سے گزر چکی ہے:

غالب کے غیر مطبوعہ فارسی خطوط ڈھاکہ میں ہیں اور مجھے ان کے دیکھنے کا اب تک اتفاق نہیں ہوا۔ مکتوب الیہ احمد بیگ خاں تپاں اور مرزا ابوالقاسم (۹۷) ہیں جن کا ذکر آپ کی کتاب میں ہے۔ یہ خطوط یا تو زمانۂ قیام کلکتہ میں لکھے گیے یا کلکتہ سے واپسی کے کچھ بعد۔ خطوط ڈھاکہ سے آجائیں تو کوئی صورت اس کی نکالی جائے گی کہ طباعت سے پیشتر آپ انھیں دیکھ سکیں۔ خطوط کب تک آئیں گے، اس کی نسبت فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اتنا علم ہے کہ ترتیب کا کام جاری ہے۔

آپ کے پاس کتبِ ذیل کے قلمی یا مطبوعہ نسخے ہوں تو مطلع فرمائیں: قاطعِ بُرہان، لطائف غیبی، غالب کی فارسی مثنوی بہادر شاہ کی مفروضہ تبدیلِ مذہب کے مُتعلّق (۹۸) دِرَفشِ کاوِیانی کا ایک نسخہ کچھ دنوں کے لیے ملا تھا (۹۹)، میں نے اس کی نقل لے لی ہے اور اسے چھپوانا چاہتا ہوں۔

میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے انگریزی میں سرکاری دفتر کی مدد سے غالب کی

پنشن کے مقدمے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے (۱۰۰) ۔کتاب کا ذکر کسی اخبار یا رسالے میں میری نظر سے نہیں گزرا ۔ اگر آپ کو کتاب کا نام اور اس کے مُصنّف اور اس کے ملنے کا پتا معلوم ہو تو بہ راہِ کرم مجھے مطلع فرمائیں ۔ میں نے غالب پر جو کتابیں شائع کی ہیں ان پر تبصرے لکھنے شروع کیے ہیں ، اور یہ کام اس وقت محض اس لیے کہ مذکورۂ بالا کتاب نظر سے نہیں گزری' بند ہوگیا ہے ۔ اس وقت تک خطوطِ غالب ، مکاتیبِ غالب ، نادر خطوطِ غالب پر تبصرے رسالۂ معاصر پٹنہ ۔۴ میں شائع ہوچکے ہیں (۱۰۱)۔

نیاز مند

عبدالودود

اگر آپ کا نام انگریزی میں غلط لکھا گیا ہو تو معاف فرمایئے گا اور بتایئے گا کہ کس طرح لکھا جائے ۔

حواشی

(۱) علی گڑھ میگزین بابت ۱۹۴۷ء ۔ ۱۹۴۸ء مُرتّبہ محمود فاروقی

(۲) مُرتّبہ آقاے محمد علی استاد نظام کالج حیدرآباد ۔ یہ ضخیم لُغت حیدرآباد سے شائع ہوا تھا اور اربابِ علم اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں ۔ اب بہت کمیاب ہے ۔ آقاے محمد علی ایرانی تھے اور ان کے پاس کچھ نفائس مخطوطات تھے ۔

(۳) میرزا غالب کی تصنیف قاطعِ برہان کے رد میں جو کتابیں ان کے معاصرین نے لکھی تھیں اُن میں قاضی صاحب کے بقول سب سے زیادہ قابلِ اعتناءمؤیّدِ بُرہان مُصنّفۂ آغا احمد علی شیرازی جہانگیر نگری تھے ۔ غالب نے اس کا جواب تیغِ تیز کے نام سے لکھا اور آغا احمد علی کے جواب الجواب کا نام شمشیرِ تیز تر ہے ۔مؤیّد ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں مطبعِ مظہر العجائب کلکتہ میں چھپی اور شمشیرِ تیز تر مطبعِ نبوی مولوی غلام نبی میں ۱۸۶۸ء میں انطباع پذیر ہوئی ۔ غالب کی تیغِ تیز ۔ مطبعِ اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی ۔

(۴) مؤیّد ، مطبعِ مظہر العجائب کلکتہ میں ۱۲۸۲۔۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی ۔

(۵) ام اے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانے کا ارادہ تھا لیکن یہ طے نہیں تھا کہ ڈاکٹریٹ جرمنی میں کروں گا یا فرانس میں یا انگلستان میں ۔ جرمنی اور فرانس میں تعلیم کے سلسلے میں جرمن اور فرانسیسی سے واقفیت ضروری تھی ۔

(۶) قاضی صاحب کا مضمون نیاز فتح پوری صاحب کو نگار میں اشاعت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ ، افسوس ہے کہ قاضی صاحب کے کسی مجموعۂ مضامین میں شامل نہیں۔ ایک مختصر سا ریویو معاصر (دسمبر ۱۹۴۱ء) میں شائع ہوا ہے۔

(۷) یہ مضمون ۱۲ سال کے بعد مجلّۂ علومِ اسلامیہ(دسمبر ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا ۔

(۸) ڈاکٹر صدّیقی نہ تیغِ تیز چھپوا سکے نہ رسالۂ عبدالکریم اور نہ لطائفِ غیبی ۔ آخر الذّکر کی انھوں نے بڑی تقطیع پر ایک صاف ستھری نقل تیار کرائی تھی۔ وہ انھوں نے آخرِ عمر میں مجھے بخش دی تھی ۔

(۹) "زندگانی بے نظیر" از عبدالغفور شہباز ص ۲۰۰ سے حکیم صاحب کے خط کی عبارت نقل کر کے بھیج دی گئی ۔ حکیم صاحب ، شہباز کو لکھتے ہیں ۔ " صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے

نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا اور نہ اُردو ۔ یہ جو مرزا صاحب عبدالصمد کو اپنا استاد لکھتے ہیں، اس شخص کا وجود ذہن میں تھا خارج میں نہ تھا " (غالب نمبر ص ۵۰)۔

(۱۰) قتیل کا صرف ایک جگہ معمولی سا ذکر آیا ہے اور وہ بھی استطراداً ۔ مرزا جعفر کے مشاعرے میں قتیل، مصحفی، میر نصیر دہلوی کے موجود ہونے کا ذکر ہے اور بس ۔ غالب کا تو استطراداً بھی کہیں ذکر نہیں آیا ۔ حالانکہ معاصرینِ غالب میں دورانِ قیامِ بنگال (مولوی نعمت علی عظیم آبادی، مولوی کرم حسین بلگرامی، مرزا جان تپش دہلوی، مرزا ابو القاسم دہلوی، مرزا احمد بیگ تپاں، رضی دہلوی، حکیم مومن، مفتی صدر الدین آزُردہ دہلوی، امام بخش صہبائی، میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کا خاصا ذکر وقائع میں ملتا ہے ۔ غالب ان کے ناپسندیدہ اصحاب میں معلوم ہوتے ہیں جن کا انھوں نے اپنی کتاب میں ذکر تک نہیں کیا ۔

(۱۱) پروفیسر محمد زبیر صدیقی، سابق آسو توش پروفیسر آف اسلامک کلچر کلکتہ یونیورسٹی، کیمبرج کے تعلیم یافتہ، اور پروفیسر ایڈورڈ براون کے شاگرد، قاضی صاحب کے خاص دوستوں میں تھے ۔

(۱۲) انھوں نے " دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب " پر مضمون لکھا اور علی گڑھ میگزین کے " غالب نمبر " میں شائع ہوا ۔

(۱۳) اصل عبارت یہ ہے " صرف و نحو پر ان کی کوئی مستقل جامع کتاب نہیں، یا تھی تو وہ اب ناپید ہے " (علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ص ۲۵۵)

(۱۴) قاضی صاحب کے مضمون " غالب کا ایک فرضی استاد " (غالب نمبر ص ۶۵) کی کتابت اختتام پر تھی کہ یہ تحریر آئی، مضمون میں اضافہ کرا دیا گیا ۔

(۱۵) کتاب ِلٹن لائبریری میں موجود تھی ضروری عبارات و معلومات بھیج دیے گئے تھے ۔ سفرنگِ دساتیر یعنی شرحِ دساتیر نجف علی خاں خستہ جھجری، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے ۔ شوال ۱۲۹۸ھ میں وفات پائی ۔

(۱۶) اوائل مارچ ۱۹۴۹ء تک اس مجموعۂ تحریرات کا نام طے نہیں ہوا تھا جو بعد کو آثرِ غالب کے نام سے شائع ہوا۔

(۱۷) ولی داد خاں اور خداداد خاں آگرے میں مہاجنی کا کام کرتے تھے ۔ یہ لوگ ندھولی ضلع ایٹہ کے باشندے تھے بعد کو اکبر آباد محلہ پیپل منڈی میں آکر سکونت پذیر

ہوگئے تھے۔ ان کے ایک عزیز عبدالوحید خاں (برادر نسبتی نواب صدر یار جنگ) مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں غالب مرحوم اور میرے نانا خداداد خاں صاحب مرحوم سے باہم بے حد میل جول اور یگانگت تھی ۔ دونوں کے مکان آمنے سامنے تھے ۔ صرف سڑک درمیان میں تھی ۔ کالا محل جو آگرے میں پیپل منڈی میں واقع ہے؛ غالب مرحوم کا مسکن تھا اور اس کے مقابل میرے پر نانا مرحوم کی حویلیاں تھیں۔ میری تعلیم کا زمانہ غالب کے اسی مکان میں گزرا۔ اس مدرسے کا نام "مفیدِ عام" تھا۔ غالب کا مکان مدرسے نے کرایے پر لے رکھا تھا'

(۱۸) ہفت آسمان آغا احمد علی جہانگیر ... کی مشہور تصنیف ہے یہ کلکتے میں چھپ گئی ہے۔

(۱۹) آثارِ غالب (پٹنہ ۱۹۹۵ء) حاشیہ ۲ تحریر کردہ ڈاکٹر حنیف نقوی میں غالب ... کا حال دیکھا جاسکے ۔

(۲۰) مفتی صدر الدّین آزُردہ دہلوی پر شہباز صاحب کا مضمون رسالہ مُصنّف علی گڑھ مُرتّبہ سیّد الطاف علی بریلوی میں شائع ہوا تھا ۔ قاضی صاحب آزُردہ پر ایک نیا مضمون لکھوانا نہیں چاہتے تھے ۔

(۲۱) قاضی صاحب مختلف اوقات میں آثارِ غالب کے لیے مواد بھیجتے رہے ۔ کبھی فارسی کبھی اردو کبھی نظم کبھی نثر۔ انھوں نے مجھے پورا اختیار دے رکھا تھا کہ ان تحریروں کو مُرتّب میں کروں اور جس تحریر کو جہاں چاہوں رکھوں ۔

(۲۲) میں نے حافظ محمود خاں شیرانی کے غیر مطبوعہ خط (مورخہ ۳۱ اگست ۴۴ء) کا وہ حصہ جو غالب سے متعلق ہے غالب نمبر میں ص ۱۳۰ پر شائع کیا۔

(۲۳) وہی غالب کا فارسی خط بنام خداداد ولی داد خاں جس کا عکس غالب نمبر میں شائع ہوا۔ یہ خط ۱۸۱۴ء کا اس لیے نہیں ہوسکتا کہ اس پر مُہر ہے جو ۱۲۳۱ھ میں بنی ہے۔ ۱۲۳۱ھ مطابق ہے ۱۸۱۵-۱۸۱۶ء کے۔ ۱۸۱۴ء کے خط پر بعد کی بنی ہوئی مُہر کس طرح لگائی جاسکتی ہے۔

(۲۴) غالب کی غزل

اپنا احوالِ دل زار کہوں یا نہ کہوں — ہے حیا مانعِ اظہار کہوں یا نہ کہوں

قاضی صاحب نے دیوانِ معروف مُرتّبہ مولانا شاہ عبد الحامد قادری بدایونی کو ، معیار (مارچ ۱۹۳۶ء) میں شائع کیا تھا لیکن اسے مالک رام دیوان معروف ہی سے کچھ پہلے شائع کرچکے تھے اس لیے آثارِ غالب مُرتّب کرتے وقت میں نے یہ غزل نکال دی۔ دیوان

معروف میں غالب کی اس غزل کی شمولیت کی وجہ یہ ہوئی کہ معروف نے غالب کی دو غزلوں کو ایک کی ردیف ہوتے تک اور دوسری کی، کروں یا نہ کروں، میں مخمّس کیا تھا۔

(۲۵) سلام کا پہلا شعر یہ ہے :

سلام اس کو اگر بادشا کہیں اس کو   تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

اور مرثیے کا پہلا بند اس طرح شروع ہوتا ہے : "ہاں اے نفسِ بادِ سحر شُعلہ فشاں ہو" یہ دونوں چیزیں شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ غالب میں شائع کر دی تھیں۔ اکرام کی آثارِ غالب اور ارمغانِ غالب دونوں پر تاریخ طبع درج نہیں۔ یہ ایک ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

(۲۶) "میر صفیر بلگرامی اور میرزا غالب" (رسالۂ اردو جنوری ۳۸ء)

مرثیے کا پہلا بند اس مصرع سے شروع ہوتا ہے "ہاں اے نفسِ بادِ سحر شُعلہ فشاں ہو" بعد کو یہی تین بند مجھے شیخ محمد ریاض الدّین امجد کے سفرنامے "سیرِ دہلی" میں ملے۔

یہ سفرنامہ ۱۲۷۷ھ - ۱۸۶۱ء کا ہے۔ اس میں انھوں نے غالب سے اپنی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ریاض الدّین امجد، غالب سے ۱۲۷۷ھ میں ملے ہیں، میر صفیر کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ صفیر کی نظر سے یہ سفرنامہ گزرا ہو اور مرثیے کے تینوں بند انھوں نے اسی سے نقل کیے ہوں۔

میں نے ۱۹۵۲ء میں احوالِ غالب (دہلی ۱۹۸۶ء) میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے بعنوان "سرِّ غالب در حدیثِ دیگراں" (ص ۴۳۔ ص ۹۰) جس میں غالب سے غوث علی شاہ قلندر، شیخ ریاض الدّین امجد، اور میر صفیر بلگرامی کی ملاقاتوں کا احوال لکھا ہے۔

(۲۷) مجھے یاد آتا ہے کہ مالک رام نے غالب کی یہ غزل مارچ ۱۹۳۶ء سے پہلے شایع کی تھی۔

(۲۸) ام اے (عربی) میں ایسے کی جگہ میں نے پانچویں صدی ہجری کے ایک شامی ادیب و شاعر اور صلیبی عہد کے ایک مجاہد اُسامہ بن منقذ الشیزری الکنانی (۴۸۴ھ - ۵۸۰ھ) پر تحقیقی مقالہ لکھنا طے کیا تھا۔ اس مُصنّف کی ایک تصنیف "کتاب العصا" کا ایک نسخہ کتب خانۂ مشرقیۂ خدا بخش میں محفوظ تھا اس کا عکس مطلوب تھا۔

(۲۹) مولوی سراج الدین احمد کے نام غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو تپاں کی وفات کی اطلاع ۱۵ مارچ ۱۸۳۲ء کو ملی تھی۔ وفات ۱۵ مارچ ۱۸۳۲ء سے چند دن پہلے ہوئی ہوگی۔ (آثارِ غالب ص ۵۰ پٹنہ ۱۹۹۵ء)

(۳۰) "کاغذات" سے مراد تو غالب نمبر کی کاتب کی لکھی ہوئی کاپیاں ہیں، قاضی صاحب

کے مضمون کی، مضمون میں نے اپنا کوئی بھیجا ہوگا وہ میں نے کسی وجہ سے شامل نہیں کیا۔ میرا جو مضمون غالب نمبر میں چھپا ہے وہ میں قاضی صاحب کے پاس نہیں بھیج سکا ورنہ " حور و بشر کا امتیاز " والی غزل (غالب نمبر ص) اس شمارۂ خاص میں شامل نہ ہوتی۔

(۳۱) خان صاحب قاسم حسن صاحب، خدا بخش خاں کے عزیز تھے اور اس زمانے میں کتب خانے کے ناظم۔ نگیٹو، کتاب العصا کے بعض صفحات کے عکس کا۔

(۳۲) میں مضمون لکھ لیتا، چند گھنٹوں میں نہ سہی چند دنوں میں مکمل کر لیتا، لیکن غالب نمبر کے بعد احوالِ غالب، نقدِ غالب اور گنجینۂ غالب کی ترتیب میں مصروف ہوگیا، پھر کوئی تین سال کے بعد یورپ سے واپس آیا تو دوسری ذمہ داریاں درپیش تھیں۔ آخر ۱۹۶۰ء میں جب ادارۂ علومِ اسلامیہ علی گڑھ کے مجلّۂ علوم اسلامیہ شائع کرنے کا خیال ہوا تو میں نے اسی نسخۂ شیفتہ پر قاضی صاحب سے مضمون لکھوایا۔ یہ " غالب کے کلّیاتِ نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ " کے عنوان سے مجلّۂ علوم اسلامیہ کے دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

(۳۳) میں عودِ ہندی کے طبعِ اوّل کا وہ نسخہ بھیجنا چاہتا تھا جو غالب کی زندگی میں چھپا تھا اور بہت کمیاب تھا، تاخیر کی وجہ یہی تھی۔

(۳۴) فیضی کی لکھی ہوئی بے نقط تفسیر

(۳۵) مالک رام صاحب کا خیال ہے کہ وہ ۳۰ جنوری ۱۸۴۰ء تک زندہ تھیں (ذکر غالب ص ۲۴) طبعِ پنجم (دہلی ۱۹۷۶ء) فسانۂ غالب ص ۳۶ دہلی ۱۹۷۷ء ۳۰ جنوری)

(۳۶) خداداد خاں و ولی خاں صاحبان کے نام غالب کے فارسی خط کا عکس بنوا کر بھیجا تھا کہ وہ اس کی تاریخ تحریر متعین کریں۔

(۳۷) علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کے لیے کلّیات غالب فارسی مکتوبہ بعد از ۱۲۵۴ھ محفوظۂ کتب خانۂ خدا بخش کے حاشیے پر غالب کے قلم کے دو حاشیے (سب کمر کو بال باندھتے ہیں۔ باغ سے آیا کرتے ہیں الخ) کے عکس کے لیے پروفیسر سید حسن عسکری صاحب کو زحمت دی تھی۔

(۳۸) اب کوئی پچاس سال گزرنے کے بعد یاد نہیں آتا کہ کیا مسئلہ تھا۔ خیال ہوتا ہے کہ علی گڑھ میگزین کی، جس کا میں اس زمانے میں اڈیٹر تھا، طباعت کے بارے میں کوئی

بات تھی ۔ کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ قاضی صاحب چاہتے تھے کہ ان کے سارے مضامین کی کتابت اُن کی نگرانی میں پٹنہ کا کوئی کاتب کرے ۔ اس کی اُجرت علی گڑھ یونیورسٹی پٹنہ بھیج دیا کرے ۔ سیّد ظہیر الدین علوی مرحوم ٭ جو اُس زمانے میں میگزین کے منیجر تھے' یونیورسٹی کے ٹریژرر (قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی) کو جو قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے اس کے لیے آمادہ نہیں کر پائے ۔

(۳۹) میگزین کے " غالب نمبر " میں قاضی صاحب کی جمع کردہ غالب کی کمیاب تحریراتِ نظم و نثر کے لیے آثارِ غالب نام پر مجھے اعتراض ہوا کہ اسی نام سے شیخ محمد اکرام کی کتاب اسی زمانے میں شائع ہو گئی تھی ۔ آخر میں نام مآثرِ غالب تجویز ہوا ۔

(۴۰) " غالب نمبر " کے لیے قاضی صاحب تین مضامین لکھ رہے تھے :

۱۔ غالب کا ایک فرضی استاد

۲۔ غالب بحیثیت محقّق

۳۔ آثارِ غالب ۔

بعد کو مولانا عرشی کی کتاب فرہنگِ غالب پر انھوں نے تبصرہ لکھا اور وہ شائع کیا گیا ۔

(۴۱) یہ شعرائے اردو کا تذکرہ ہے جس کے مؤلف قاضی نور الدین حسین فائق ہیں ۔ اس پر غالب کی اصلاحیں تھیں اور انھی کے قلم کا لکھا ہوا ایک خط جس میں انھوں نے لکھا تھا " برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزاء مجھ کو دیے ۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کیا صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اس کو موافق حکم آپ کے بعض جا درست کر دیا ۔ بعض موقع پر منشائے اصلاح لکھ دیا ہے ۔ مجھ کو یہ یاد نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں بقول اے الامر فوق الادب حکم بجا لایا ہوں ۔ مرحبا آفریں ۔ بخدا خوب نثر لکھی ہے " ۔ یہ خط جو جولائی ۱۸۶۲ء کا لکھا ہوا ہے میں نے غالب نمبر میں شائع کر دیا تھا ۔ تذکرے کا اصل نسخہ جس پر غالب کی تحریر اور اصلاحیں تھیں یہ بمبئی میں موجود تھا لیکن بعد کو مفقود ہو گیا ۔

(۴۲) غالباً مولوی فضل اللہ ندوی مقیم بمبئی جو پہلے لِٹن لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مشرقیات سے تعلق رکھتے تھے ۔

(۴۳) عبدالقادر غمگین رامپوری (م ۱۲۶۵ھ) کا لطیفہ حالی کی یادگارِ غالب میں ہے اور وہ شعر یہ ہے :

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کُل بھینس کے انڈے سے نکال

اگر روایت صحیح ہے اور وضعی نہیں تو غالب پر مشکل شعر کہنے اور رنگِ بیدل میں ریختہ لکھنے پر طنز ہے۔

(۴۴) آج تک صحیح معنوں میں پتا نہ چل سکا کہ یہ قُدسی کون ہیں۔ بہرحال مشہور فارسی شاعر قُدسی مشہدی نہیں جس کے دیوان کے کسی نسخے میں یہ مخمس نہیں پایا جاتا۔

(۴۵) " الثورۃ الہندیۃ " (بجنور، ۱۹۴۰ء)۔ اس میں مولانا کے دو عربی قصیدے (ہمزیہ اور دالیہ) اور ان کا ترجمہ بھی موجود ہے۔

(۴۶) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (الہ آباد) لطائف غیبی مرتب کر رہے تھے۔ شاید وہی رسالۂ عبدالکریم بھی شائع کرنا چاہتے ہوں۔ اس پر ایک مضمون بہت بعد کو مالک رام صاحب نے رسالۂ آج کل (دہلی) میں شائع کیا جو اب گفتارِ غالب (دہلی ۱۹۸۵ء) میں شامل ہے۔ لطائف غیبی کا عرصے کے بعد ایک اچھا ایڈیشن پروفیسر سید معین الرحمٰن نے الوقار پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا ہے۔

(۴۷) یہ تینوں شعر کلیاتِ نظمِ غالب طبع اول (مطبع نول کشور ۱۸۶۳ء) میں تلاش کرنے پر نہ ملے۔ سبدِ باغِ دو در اور گلِ رعنا میں بھی موجود نہیں۔

(۴۸) بہت بعد کو قاضی صاحب نے رسالۂ معاصر ۴ میں لکھا " عبدالقادر کا روزنامچہ حبیب گنج میں اور ایک نقل کتب خانۂ رضائیہ رام پور میں ہے کہ مجھے اب تک اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو اور جناب عرشی سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں غالب کا ذکر مطلقاً نہیں اور جس زمانے میں غالب کلکتہ گئے تھے، ان کا وہاں ہونا اس سے ثابت نہیں۔

(۴۹) نواب سید محمد زکریا خاں رضوی دہلوی ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء تا ۱۳۲۱ھ / ۴-۱۹۰۳ء شاگرد غالب۔ دیوان مطبع رضوی سے ۱۳۱۲ / ۱۸۹۵ء میں چھپا۔ اس پر غالب کی ایک تحریر بطور سند چھپی ہے (تلامذۂ غالب ص ۲۳۲) جس کا سال تحریر معلوم نہیں لیکن قیاس غالب ہے کہ غالب کے آخری زمانے کی ہو۔ لالاسری رام نے زکی کا سال وفات ۱۹۰۲ء لکھا ہے (جہانِ غالب ص ۲۵۵)

(۵۰) شیخ امان اللہ تلمیذ ناسخ و برق لکھنوی متوفی ۱۸۵۸ء۔

(۵۱) ملک الشعراء شیخ مہدی علی مراد آبادی شاگردِ ناسخ مُتوفی ۱۸۶۷ء ۔ دیوانِ قلمی مخزونۂ جامعۂ دہلی میں مطبوعہ دیوان سے زائد کلام ہے ۔ (تلامذۂ غالب ص ۱۲۳)

(۵۲) شیخ امداد علی بحر لکھنوی تلمیذِ ناسخ (۱۲۳۵ھ ۔ ۱۳۰۰ھ)۔

(۵۳) سیرِ سیّاح میں شمالی ہندوستان میں اپنی سیاحت کا مختصر حال اور لکھنؤ اور کانپور کے دو مشاعروں کی روداد درج کی ہے۔ اسے منشی نول کشور نے لکھنؤ سے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کے خیال میں اس کے اصل مُرتّب منشی انوار حسین تسلیم سسوانی اور نواب احمد حسن خاں جوش ہیں۔ میں فی الحال کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔

(۵۴) کچھ عرصے بعد مالک رام نے اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون " ایک فارسی خط کی تاریخ " لکھا جو فسانۂ غالب ص ۳۲ (دہلی ۱۹۷۷ء) میں شائع ہوا۔

(۵۵) غالب کا اصل خط مجھے جناب فرّخ حیدر صاحب بی اے (علیگ) رئیس شمس آباد ضلع فتح گڑھ سے حاصل ہوا تھا، جو بعد کو انھیں واپس کر دیا گیا۔ ان کا کتب خانہ اہمیت رکھتا ہے ۔ قاضی محمد صادق اختر کا نایاب تذکرۂ آفتابِ عالمتاب انھی کے کتبخانے میں دریافت ہوا ہے اور یہ نسخہ منحصر بہ فرد ہے ۔ مالک رام صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ان کے پاس آفتابِ عالمتاب کا ایک نسخہ تھا جو لاہور کے ہنگاموں کی نذر ہوا ۔

(۵۶) ڈاکٹر صدیقی کے ہاتھ کا تیار کردہ نسخہ دیوانِ بیان کا میں نے ان کے پاس دیکھا تھا ۔ وہ شائع نہ کر سکے اور " خوب سے خوب تر " کی تلاش میں رہے کہ کوئی اور نسخہ مل جائے تو اس سے بھی مقابلہ متن کا ہو جائے ۔

(۵۷) " غالب بہ حیثیت محقق " (علی گڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۸۱) ۲۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو قاضی صاحب نے مکمل کر کے مجھے بھیج دیا تھا لیکن ان مسائل پر جو اس مضمون میں آتے ہیں وہ غور و فکر کرتے رہے اور معلومات جمع کرتے رہے ، انھوں نے اس میں اس قدر اضافے کیے کہ مضمون ایک مستقل کتاب بن گیا ۔ اسے میں نے ۱۹۵۲ء میں نقدِ غالب (انجمن ترقی اردو) کے آخر میں شائع کیا۔

(۵۸) شہنشاہ چوں زمزم آراستی   دگر موسم موبدان خواستی

(شاہنامہ ج ۴ ص ۳۲)

زمزم کا ذکر غالب کی کتاب قاطعِ برہان ص ۱۲ پر آتا ہے ۔

(۵۹) امیر حسن خاں بسمل (متوفی ۱۲۶۳ھ) کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے

پنج آہنگ کے جواب میں پنج گلبن تصنیف کی تھی ۔ سال تصنیف ۱۲۶۰ھ ہے ۔ اس کا کوئی نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا ۔

(۶۰) ایم ۔ اے (عربی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۴۹ء ۔ دیکھیے قاضی صاحب اپنی تحریرات میں کس قدر احتیاط برتتے ہیں ۔ وہ نہیں لکھتے کہ امتحان میں اوّل رہے ۔ " ایک اطلاع کے بہ موجب " لکھ کر انھوں نے کیسی احتیاط کی ہے ۔ بات یہ ہے کہ یونیورسٹی گزٹ میں ابھی اطلاع شائع نہیں ہوئی تھی ۔ اگرچہ عظمت الٰہی زبیری مرحوم رجسٹرار نے مجھے اطلاع دی تھی کہ تم تمام طلبہ میں اوّل آئے ہو ، لیکن ظاہر ہے یہ ان کا ذاتی خط تھا ۔

(۶۱) رسالہ اکتوبر ۱۹۴۹ء ہی میں شائع ہوسکا ۔ آل احمد سُرُور صاحب اور رشید احمد صدّیقی مرحوم نے اپنے مضامین علی الترتیب ۲۶ ستمبر اور ۲۸ ستمبر کو لکھ کر بھیج دیے تھے ۔ رسالہ اوائلِ اکتوبر میں شائع ہوا ہوگا ۔

(۶۲) قاضی صاحب نے اس مجموعے کا نام آثارِ غالب رکھا تھا ۔ طباعت کے دوران شیخ محمد اِکرام مرحوم نے اپنی کتاب آثارِ غالب مجھے بھیجی ۔ میں نے قاضی صاحب کو لکھا کہ اب یہ نام رکھنا مناسب نہیں ۔ چنانچہ نام بدل کر آثر غالب رکھا گیا ۔ سر ورق پر تو آثارِ غالب ہی چھپا ہے ، لیکن ڈھائی سو جو آف پرنٹس نکلوائے گئے تھے ان کے سرورق پر آثرِ غالب کا نام چھپوایا گیا ۔

(۶۳) قاضی صاحب ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی کے مشورے پر غالب کی بعض کتابیں ٹائپ میں چھپوانا چاہتے تھے ۔

(۶۴) ایک سطر پڑھی نہیں جاتی ۔

(۶۵) قاضی صاحب کی مُصحفی سے دلچسپی بہت قدیم ہے۔ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس جو غالباً ۱۹۳۰ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا، انھوں نے ایک طویل مُحقّقانہ مقالہ مُصحفی پر پڑھا تھا ۔ میں نے ۱۹۵۰ء کے اوائل میں جب انھیں اطلاع دی کہ مُصحفی کی تصنیف مخزن الفوائد (جس کا ذکر اس نے اپنے تذکرے میں کیا ہے) فنا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کی نقل حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس کتاب میں مُصحفی نے اپنے حالات زندگی درج کیے ہیں۔ ڈاکٹر صدّیقی اس کی نقل کا کوئی انتظام نہ کرسکے ۔ برسوں بعد کتاب یا اس کے کچھ اجزاء کی نقل غالبا ڈاکٹر وحید قریشی نے انھیں

فراہم کی۔ لیکن اس وقت تک ڈاکٹر ابواللیث صدّیقی (کراچی یونیورسٹی) مُصحفی پر اپنی کتاب شائع کر چکے تھے جس میں مخزن الفوائد کے طویل اقتباسات درج ہیں۔

(۶۶) قاضی صاحب نے یہ کتاب ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی کے نام معنون کی ہے۔

(۶۷) انگریز مستشرق ٹرنر میکن (Turner Mecan) جس نے انگریزی میں شاہنامے کا ترجمہ کیا

(۶۸) قاضی صاحب کی مراد لمسڈن (Lumsden) سے ہوگی۔ اس نے بھی غالباً اس کا ترجمہ شائع کیا تھا۔

(۶۹) غالباً وہ ایرانی اڈیشن مراد ہے جسے محمد رمضانی نے مرتب کر کے برن سے ۱۳۱۲ ش میں شائع کیا تھا۔

(۷۰) دیوان مطبع احمدی آگرہ سے سنہ ۱۸۶۳ عیسوی میں شائع ہوا تھا۔ اس کے نسخے کمیاب ہیں لیکن نایاب نہیں۔

(۷۱) مآثرِ غالب ص ۷۶

(۷۲) غلام رسول مہر صاحب کا یہ مضمون میں نے اشاعت سے قبل قاضی صاحب کی طلب پر انھیں مطالعے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ بعد کو علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) میں شائع ہوا۔ دیکھیے ص ۴۷۔

(۷۳) محمد کریم بن مہدی قلی تبریزی کی تالیف۔ سالِ تالیف ۱۲۰۶ھ۔

(۷۴) غالب نے بہادر شاہ ظفر کی اس غزل کی تضمین کی تھی جس کا ایک مصرع یہ ہے۔

وصل کی شب۔ اے بتِ بے پیر۔ آدھی رہ گئی

یہ مخمّس جو دہلی اردو اخبار کے تتمّے مؤرّخہ ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء کی ایک اشاعت میں چھپا تھا میں نے غالب نمبر میں شائع کر دیا تھا۔ ص ۱۰۱

(۷۵) ڈاکٹر صدّیقی کے چھوٹے صاحب زادے محمد مُسلم صدّیقی۔ مقیمِ الہ آباد۔

(۷۶) ان کی تعیین فی الحال نہیں کرسکا۔

(۷۷) الگزنڈر ہیڈلی۔ آزاد (ت جولائی ۱۸۶۱ء) مراد ہیں جو زین العابدین خاں عارف کے شاگرد تھے اور غالب سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔

(۷۸) پنج آہنگ ص ۲۰۳ (طبع دوّم۔ مطبع دارالسّلام۔ حوض قاضی۔ دہلی۔ ۱۸۵۳ء) میرزا کا لکھا ہوا دیباچہ طبعِ اوّل (مطبعِ سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء) میں اس لیے موجود نہیں کہ اس کی طباعت ۱۳ رمضان ۱۲۵۶ھ کو ختم ہوئی اور تذکرۂ طلسمِ راز کا سال اتمام جیسا کہ غالب کے

لکھے ہوئے قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲۶۶ھ ہے۔

(۷۹) یہ بات حیرت میں ڈال دینے والی ہے۔ جو میر مہدی مجروح سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ انھوں نے ایک تذکرہ مُرتّب کیا تھا اور اس کا دیباچہ غالب نے لکھا تھا۔ تذکرۂ طلسم راز کے کسی نسخے کا اب تک پتا نہیں چلا ہے اور غالب کا نوشتہ دیباچہ موجود نہ ہوتا تو شاید مشکل سے اس بات کا علم ہوتا کہ مجروح ایک تذکرے کے مُرتّب بھی ہیں۔ تعجب ہے کہ اس کا حوالہ بھی اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ میر مہدی مجروح کے خاندان سے تعلق رکھنے والے صاحب نے بہت دن ہوئے سندھ سے مجھے اطلاع دی تھی کہ ان کے پاس اس تذکرے کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں نے تفصیلات چاہیں لیکن پھر ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ اور نہ اس کے مندرجات پر آج تک ان کا کوئی مضمون دیکھنے میں آیا۔

(۸۰) یہ بہت اہم اطلاع ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے اوائل میں اس پر نظر ثانی کی بات کا مجھے یقین نہیں آتا۔ مجروح بیسویں صدی میں صرف ڈھائی سال جیے ہیں (تاریخ وفات ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء۔ دیکھیے تلامذۂ غالب میں ۴۰۶ طبعِ دوم) اس زمانے میں ان کی صحت خراب تھی اور بینائی کمزور۔ اس عالم میں پورے تذکرے پر انھوں نے نظرِ ثانی کی ہو اس کا یقین اسی وقت آسکتا ہے جب وہ قطعۂ تاریخ جس کا ذکر قاضی صاحب کر رہے ہیں پیش نظر ہو۔

(۸۱) مالک رام صاحب نے دو نثری رسالے انوار الاعجاز، ہدیۃ الائمہ کے علاوہ گنجِ غرائب اور آیاتِ جلی فی شانِ مولا علی کا ذکر کیا ہے جس کے قلمی نسخے علی الترتیب لاہور اور کراچی میں محفوظ ہیں۔ تلامذۂ غالب ص ۴۰۶) معلوم نہیں ہوسکا کہ مہیش پرشاد کے پیش نظر مجروح کی کیا کتاب تھی۔

(۸۲) خطوط غالب مُرتّبہ مہیش پرشاد (الہ آباد ۱۹۴۱ء) مراد ہے۔ ڈاکٹر صدّیقی، دوران طباعت قاضی صاحب کے پاس اس کے مطبوعہ اوراق بھیجتے رہے تھے۔

(۸۳) مجھ پر اس کا مفہوم واضح نہ ہوسکا۔ جب یہ مجموعۂ خطوط ۱۹۴۱ء میں شائع ہوچکا تھا تو قاضی صاحب کے پاس صرف ۲۴۰ تک کے اوراق کیوں تھے۔

(۸۴) محمد زبیر صدّیقی جو ترکِ وطن کر کے کراچی چلے گئے تھے اور چھوٹے صاحبزادے محمد مُسلم صدّیقی مقیمِ الہ آباد۔

(۸۵) رسالۂ معاصر اس زمانے میں پٹنے سے ماہانہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، لیکن ترتیب و اشاعت کا سارا کام پروفیسر کلیم الدین احمد کیا کرتے تھے۔ رسالۂ مُصنّف سہ ماہی تھا اور اسے سیّد الطاف علی بریلوی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ سے شائع کرتے تھے۔ تقسیمِ ہند تک یہ علمی رسالہ یہاں سے شائع ہوتا رہا۔

(۸۶) یہ خط نمبر ۲ ہے (خطوط غالب ص ۲) مُرتّب نے اسے اگست ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا قرار دیا تھا۔

(۸۷) منشی مہیش پرشاد نے اس خط پر سالِ تحریر درج نہیں کیا ہے لیکن اسے خط ۲ سے جو ۱۹ اپریل ۱۸۵۳ء کا لکھا ہوا ہے پہلے درج کیا ہے۔

(۸۸) خطوطِ غالب ص ۲۵۴۔ اصل میں سہواً ۲ ستمبر لکھا گیا ہے میں نے خطوطِ غالب سے تصحیح کر دی ہے۔

(۸۹) قاضی صاحب نے سہواً ۱۸۵۲ء لکھ دیا ہے

(۹۰) قاضی صاحب نے "بہتر" میں ت پر تشدید کا نشان لگا دیا ہے اس سے تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ وہ ظاہراً "تازہ شے بہتر بارہ سے بہتّر" لکھنا چاہتے ہوں گے۔

پس نوشت: "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر": غالب، میر احمد حسین میکش کو لکھتے ہیں:

"تاریخ نے مزا دیا، خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہوں گے، جن کی تاریخ ایسی ہے ... تاریخ دیکھی، اس کی تعریف میں خرمے کھائیں گے، اس کی تعریف کریں گے۔ کہیں یہ تمھارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسنِ طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی رقعہ لے کر آیا ہے، ابھی خرمے لے کر آوے ... اگر بہ فرضِ محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے، تو ہم بھی کہیں گے: "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر"۔

منشی مہیش پرشاد اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پیش کردہ متن میں "تازہ شے بہتر" کو صحیح سمجھنے میں قاضی عبدالودود صاحب کو تامل ہے۔ ان کے خیال میں "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر" زیادہ قرین قیاس ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اسے تجنیسِ خطی کہتے ہیں اور متن کی حسب ذیل شکل بہتر اور موزوں سمجھتے ہیں:

باره سے بہتر، باره سے بہتر
۱۲ فائق ۱۲۶۲

میں ان سے متفق ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر خرمے بھیجو تو دس بارہ کی تعداد میں نہ بھیجو، ہزار پان سو بھیجو۔ یعنی تھوڑے بہت نہیں، بھیجنا ہو تو خاصی تعداد بڑی مقدار میں بھیجو۔ آموں کی طرح وہ خرمے بھی پسند کرتے ہوں گے کہ زیادہ آئیں۔

(۹۱) یہاں یہ تحریر ختم ہوجاتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ خطوطِ غالب کے مطبوعہ فرمے ڈاکٹر صدّیقی ان کے پاس برابر بھیجتے، اور وہ اپنے ملاحظات لکھ کر انھیں روانہ کرتے رہے ہوں گے۔

(۹۲) منشی مہیش پرشاد (ت ۱۹۵۱ء) مُرتّب خطوطِ غالب جس کی پہلی جلد ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی کی نظر ثانی کے بعد ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔

(۹۳) بعد کو قاضی صاحب کی رائے میں تبدیلی آئی۔ وہ کہتے تھے کہ کتب خانۂ مشرقیہ کے دونوں نسخوں میں کوئی مے خانۂ آرزو نہیں۔

"یہ نسخہ ۱۲۵۴ھ سے قبل کا لکھا ہوا ہے اور ظاہراً معدوم ہے"۔ (آثارِ غالب ص ۱۵)

(۹۴) اس خط میں غالب کے اس فارسی دیوان کا تین جگہ ذکر آیا ہے اور ہر جگہ قاضی صاحب نے اس کا نام میخانۂ آرزو لکھا ہے۔ یہ خیال کہ اس مجموعے کا نام میخانۂ آرزو نہیں بلکہ میخانۂ آرزو سر انجام ہے ظاہراً انھیں ۱۹۴۳ء کے بعد اور ۱۹۴۹ء سے پہلے کسی زمانے میں پیدا ہوا۔ میں اس معاملے میں ان سے متفق نہ تھا اگرچہ متعدد بار ان سے اس مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ غالب نے اپنی دوسری کتابوں کے نام جس طرح رکھے ہیں (پنج آہنگ، گلِ رعنا، قاطع بُرہان، دِرَفش کاویانی) اس سے بھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ نام میخانۂ آرزو ہی ہے، لیکن اب ڈاکٹر حنیف نقوی نے فارسی کا ایک ایسا قطعہ شائع کیا ہے جس سے یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا نام "میخانۂ آرزو سر انجام" ہی ہے۔

(۹۵) یہ ۴۲ خطوط ہیں ۴۳ نہیں۔ قاضی صاحب چاہتے تھے کہ ڈاکٹر عندلیب شادانی، استاد شعبۂ فارسی، ڈھاکا یونیورسٹی یہ خطوط مُرتّب کر دیں، لیکن وعدے کے باوجود وہ یہ کام نہ کرسکے۔ بالآخر قاضی صاحب نے جن کے پاس ان خطوط کی نقل تھی میری فرمایش اور اصرار پر علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کے لیے انھیں مُرتّب کیا اور میں نے ۱۹۴۹ء میں اس کے ضمیمے کے طور پر شائع کر دیا۔

(۹۶) بانیِ کتب خانۂ مشرقیہ کے صاحبزادے صلاح الدّین خدا بخش، جنھوں نے اپنا ذخیرۂ کتب بھی کتب خانے کو دے دیا تھا۔

(۹۷) اس مجموعے میں جو بقول حکیم حبیب الرّحمٰن (ڈھاکہ) شائق جہانگیر نگری کا جمع کردہ ہے، تپاں، شائق، خواجہ محمد حسن، خواجہ فخر اللہ اور ایک نامعلوم الاسم مکتوب الیہ کے نام کے خطوط ہیں۔ اس مجموعے میں ابوالقاسم خاں کے نام کوئی خط نہیں۔ ان کے نام کے اکیس خطوط متفرقاتِ غالب مرتبہ مسعود حسن رضوی (رام پور، ۱۹۴۷ء) میں موجود ہیں۔

(۹۸) یہ مثنوی جو غالب نے بہادر شاہ کی طرف سے تشیّع سے براءت کے لیے لکھی تھی متفرقاتِ غالب میں شامل ہے۔

(۹۹) دِرَفشِ کاویانی کا کمیاب نسخہ (مملوکۂ راقم) انھیں مطالعے کے لیے دیا گیا تھا۔ بیس پچیس سال کے بعد بھی ان کے پاس موجود تھا لیکن اس طرح کہ کثرتِ استعمال سے اس کے پرزے پرزے ہوگئے تھے۔

(۱۰۰) مجھے اس کتاب کا علم نہیں۔ بہت بعد کو لالا پرتھوی چند نے پنشن کے سلسلے کے دفتری کاغذات حقِّ جاگیرِ غالب کے نام سے ۱۹۶۸ء میں دہلی سے شایع کر دیے تھے۔ یہ مجموعہ بے حد کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اب اس کتاب کا نقشِ ثانی افادۂ عام کی خاطر ڈاکٹر سیّد معین الرّحمٰن صاحب نے لاہور سے شایع کر دیا ہے۔

(۱۰۰) فرہنگِ غالب مرتّبہ امتیاز علی عرشی پر ان کا تبصرہ میں نے علی گڑھ میگزین "غالب نمبر" میں شائع کیا، ۱۹۴۹ء۔ ذکرِ غالب (مالک رام) اور دوسری کتابوں پر بعد کو ان کے تبصرے معاصر (سہ ماہی) میں چھپے اور سبدِ چین (مرتّبہ مالک رام) پر ان کا تبصرہ رسالۂ مُصنّف (علی گڑھ) میں شائع ہوا۔